R. No. 2146/57 REGD. NO. L-922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

جلد ۲۸، شمارہ ۱۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ مارچ ۱۹۶۹ء

اداریہ

غالب، اردو اور ہندستان

غالب کی سو سالہ برسی جس بڑے پیمانے پر ہمارے ملک میں منائی گئی ہے، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ غالب سے اور غالب کی شاعری سے اور غالب کی زبان سے ملک میں کتنی گہری دلچسپی موجود ہے۔ سرکاری ذرائع سے اور بڑے سرمایہ داروں کی مدد سے روپیہ تو جمع کیا جا سکتا ہے، مگر اتنی تقریبات نہیں ہو سکتیں، اتنی کتابیں شایع نہیں ہو سکتیں، اتنے رسالوں کے خاص نمبر نہیں نکل سکتے۔ اخباروں میں اتنے مضامین نہیں لکھے جا سکتے، اتنی بڑی تعداد میں لوگ جلسوں میں اور دوسرے پروگراموں میں شرکت نہیں کر سکتے۔ ہمیں امید ہے کہ اس دلچسپی، محبت، اور عقیدت سے کچھ عملی کام بھی لیا جا سکے گا۔ ایک طرف ہمیں غالب کی شخصیت، شاعری اور نثر کا گہرا مطالعہ کر کے جدید ذہن کے مطابق اور موجودہ معیار تنقید کے لحاظ سے غالب کو پرکھنا ہوگا، دوسرے اردو ادب کی ترقی کے لئے مناسب راہیں نکالنی ہوں گی تیسرے غالب کی زبان، اردو کی تعلیم اور اس کے چلن کے لئے تمام ضروری اقدامات کرنے ہوں گے۔ غالب کی شخصیت ایسی رنگا رنگ، جامع اور توانا شخصیت ہے کہ اس کی کشش عارف و عامی، اردو دوست اور دوسری زبانوں کے جاننے والے (جس حد تک وہ غالب سے واقف ہو سکے ہیں) سبھی محسوس کرتے ہیں۔ دہلی کی بین الاقوامی سیمینار میں کئی مغربی علما نے اعتراف کیا کہ غالب کی شخصیت اور شاعری ان کے لیے بے پناہ کشش رکھتی ہے اور غالب کے یہاں انھیں ایک اپنائیت اور یگانگت سی محسوس ہوتی ہے۔ غالب کی شاعری کی معنویت کا احساس اب ہمارے ادبی حلقوں میں اور گہرا ہو چلا ہے اور ان کے ابتدائی کلام کی اہمیت بھی اور بڑھ گئی ہے کیونکہ اسے محض غالب کی مشکل پسندی یا بے راہ روی کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا، بلکہ اس میں ان کی عظمت کے وہ سارے نقوش نظر آتے ہیں جن سے آگے چل کر غالب کا نگار خانہ تعمیر ہوا۔ یہ بات بھی اب واضح ہوتی جا رہی ہے کہ ادب میں عظمت کسی خاص نظریے یا فلسفے یا مسلک سے نہیں آتی بلکہ تخیل کی رنگا رنگی، اور تخلیقی صلاحیت، تجربے کی گہرائی اور صداقت، اور اس تجربے کی پیچیدگی اور تہ داری سے آتی ہے۔ یہ بات بھی اب تسلیم کی جانے لگی ہے کہ جس طرح کسی نظریے سے وابستگی ادب میں کوئی جرم نہیں ہے اسی طرح ناوابستگی بھی کوئی جرم نہیں ہے، بلکہ شاعری [illegible] سے زیادہ ہے اور ہدایت کرنے سے زیادہ احساس اور عرفان کی دولت عطا کرنے سے عبارت ہے۔

اب وقت ہے کہ غالب کی زبان کی بقا اور ترقی کے لئے اور مستعدی سے کوشش ہو۔ یہ کام سب سے پہلے اردو دوستوں اور غالب کے چاہنے والوں کی توجہ چاہتا ہے۔ انھوں نے ابھی تک اپنی زبان کے لئے وہ کوشش نہیں کی جس کی یہ زبان مستحق ہے۔ انھوں نے حکومت یا اکثریت سے اپیل کرنے یا قرار دادیں پاس کرنے یا اپنے غم و غصہ کا اظہار کرنے کو کافی سمجھا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ منظم ہو کر اپنے بچوں کی اردو میں تعلیم کے لئے کمر بستہ ہوں۔ جہاں حکومت سے کہہ کر ابتدائی تعلیم کا انتظام ہو جائے وہاں یہ انتظام کرائیں جہاں یہ نہ ہو سکے تو اپنے بچوں کو کسی دوسری زبان کے ذریعہ سے تعلیم دلانے کے بجائے خود ایسے اسکول کھولیں جن میں اردو کے ذریعہ تعلیم کا مناسب انتظام ہو۔ پھر انھیں اس پر اصرار کرنا چاہئے کہ مڈل اسکولوں میں سہ لسانی فارمولے کا نفاذ اس طرح ہو کہ مادری زبان کی تعلیم کا لازمی انتظام کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان حقوق کی بنا پر جو جمہوریت اور دستور نے ہمیں دئے ہیں۔ ہم ریاستی حکومتوں اور مرکز کو اس وقت تک برابر توجہ دلاتے رہیں گے اور ان پر ہر قسم کا

جارحانہ رویہ اپنائے رہیں گے۔ جب تک ہمارے مطالبے پورے نہ ہو جائیں، مگر اول تو ہماری غرض سہارا ہے دوسرے جو سہولتیں حکومت کی طرف سے ملیں گی، ان پر عمل بھی نہیں ہی کرایا ہو گا۔ اردو کی تعلیم کے لئے ہر طرح کی سہولتوں کے علاوہ ابھی ہمیں دفتروں، عدالتوں، مجالس قانون ساز اور شہری اداروں میں اردو کے استعمال کے لئے بھی سہولتیں حاصل کرنا ہیں۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ مرکزی پارلیمنٹ میں تو ممبر اپنی مادری زبان میں حلف وفاداری لے سکتے ہیں، لیکن کچھ ریاستی مجالس قانون ساز میں اس کی اجازت نہیں ملی۔ حال میں اتر پردیش کی مجلس قانون ساز میں اس کی اجازت نہیں ملی۔ اب پارلیمنٹ میں اعلان ہوا ہے کہ اس قسم کی اجازت دینے کے لئے قوانین میں ضروری ترمیم کی جائے گی۔ یہ ترمیم جلد سے جلد ہونی چاہئے کیونکہ اس قسم کی پابندی دستوری ہدایات اور اس کی روح دونوں کے خلاف ہے۔ اردو زبان و ادب کی ترقی کے راستے سے ہر رکاوٹ جلد سے جلد دور ہونی چاہئے مگر اس کے لئے اردو دوستوں کو نہایت مستقل مزاجی سے راستہ ہموار کرنا پڑے گی اور خود عملی اور مثبت اقدامات کرنے ہوں گے۔

پاکستان میں غالب پنسل اور غالب کلنڈر

کراچی، ادارۂ یادگار غالب نے ۱۹۶۹ء کے لئے چاند گرہن والا ایک انتہائی جاذب نظر کلنڈر جاری کر کے مرزا غالب کی یادگار کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس کلنڈر میں غالب کو خوش دکھایا گیا ہے۔ ادارۂ یادگار غالب نے ایک غالب پنسل بھی جاری کی ہے جو غالب صدی کے موقع پر سارے پاکستان میں فروخت ہو رہی ہے پنسل پر غالب کی تصویر چھپی ہوئی ہے جو اس عظیم شاعر کے اعزاز میں جاری کی گئی ہے۔

غالب کی واپسی

میسور گورنمنٹ مہارانی کالج میسور کی بزم اردو ادب کا افتتاحی جلسہ ہوا جس میں جناب سلیم تمنائی کا لکھا ہوا ایک ڈرامہ "غالب کی واپسی" جناب عبدالرشید صاحب لکچرار کیمسٹری مہارانی کالج نے اسٹیج پر پیش کیا۔ بزم اردو ادب مہارانی کالج میسور نے غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر رسالہ "امواج" کا شمارہ غالب نمبر نکالا ہے جو پونے دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ (بزم ادب اردو)

تلاش غالب

دہلی۔ وفات غالب کی صد سالہ یادگار کے سلسلے میں علمی مجلس دہلی نے جناب نثار احمد فاروقی کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ "تلاش غالب" کے عنوان سے شائع کر دیا ہے اس میں غالب کی آپ بیتی کے علاوہ غالب کے بارہ غیر مطبوعہ فارسی خطوط، ایک غیر مطبوعہ اردو خط، فارسی اور اردو کا کچھ غیر مطبوعہ کلام، ایک غزل کا زمانہ تصنیف اصلاح غالب کے سلسلے میں حضرت اثر لکھنوی کے خطوط، غالب کے کلام کی ایک ہم عصر تشریح اور تلامذۂ غالب نیز اردوئے معلیٰ غالب نمبر پر تبصرے شامل ہیں۔ (نامہ نگار)

آسٹریلیا میں ایشیائی زبانوں کی تعلیم دینے کے لئے تربیتی کورس

میلبورن:- آسٹریلیا میں کاریں فروخت کرنے والے سیلزمینوں کے لئے ایشیائی زبانوں کا ایک تربیتی کورس شروع کیا گیا ہے۔ یہ آسٹریلیا کی فورڈ موٹر کمپنی کی درخواست پر میلبورن کی ایک یونیورسٹی میں شروع کیا گیا ہے۔ کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ وہ جنوب مشرقی ایشیا میں اپنی کاریں فروخت کرنا چاہتی ہے اس لئے اس کے سیلزمینوں کو اس ملک کی زبان بولنی چاہئے جہاں وہ کام کر رہے ہوں۔ (الجمعیۃ)

آل انڈیا مسلمین اردو ٹرافی مسلم یونیورسٹی کو ملی

دہلی:- دہلی کالج دہلی میں آل انڈیا مسلمین اردو ٹرافی ڈبیٹ کے کل ہند اردو مباحثہ میں اختر الواسع طالب علم بی اے (آنرز) اور ظفریاب جیلانی متعلم ایل۔ ایل۔ بی (فائنل) نے چیمپین شپ حاصل کر کے "آل انڈیا مسلمین اردو ڈبیٹ ٹرافی" جیت لی یہ دونوں طالب علم مسلم یونیورسٹی کے نمائندے کی حیثیت سے شریک مقابلہ تھے۔ اس کل ہند مباحثہ میں ملک کی دیگر یونیورسٹیوں نے بھی حصہ لیا۔ (قومی آواز)

سنسکرت کی گرامر کا نایاب مسودہ دریافت

بمبئی:- سنسکرت زبان کی گرامر کی اس پہلی کتاب کا مسودہ مل گیا ہے جو کسی غیر ملکی نے سب سے پہلے لکھی تھی۔ یہ کتاب پادری ہنریچ روتھ نے ۱۶۶۰ء کے لگ بھگ تین سو برس پہلے لکھی تھی اور ۱۶۶۲ء میں ہالینڈ میں چھپی تھی۔ اب تک سنسکرت کی سب سے پہلی غیر ملکی گرامر پادری پالی نس کی کتاب خیال کی جاتی تھی جو ۱۷۹۲ء میں روم (اٹلی) میں چھپی تھی مگر اب فادر اے کیمپس نے روم کی مرکزی قومی لائبریری میں پادری روتھ کی کتاب کا مسودہ ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ کتاب سنسکرت کی دو گرامروں شیک برڈک کی گرامر مطبوعہ ۱۸۰۸ء اور کیرے کی گرامر مطبوعہ ۱۸۰۶ء اور پادری پالی نس کی گرامر مطبوعہ ۱۷۹۰ء سے بہت پرانا اور اس میدان میں پہلا علمی کام ہے۔ (قومی آواز)

حنیف کیفی بریلوی

اردو کا سب سے پہلا سانٹ

اردو سانٹ کی پیدائش کو ابھی زیادہ مدت نہیں گزری لیکن عام طور پر لوگ، اس بات سے ناواقف ہیں کہ اس کی ابتدا کب ہوئی اور اس کا موجد کون تھا اس سلسلے میں نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اردو میں سانٹ کی طرح اختر شیرانی نے ڈالی جیسا کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے:

"سانٹ کی ابتدا اختر شیرانی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ آج بھی کبھی کبھی سانٹ لکھے جاتے ہیں لیکن اس صنف میں اختر شیرانی مرحوم ہی کو سب سے بلند مرتبہ حاصل ہے۔ اختر نے اس کو شروع کیا اور اس کے بعد اس کو کوئی برت نہ سکا۔"[1]

حکیم یوسف حسن مدیر نیرنگِ خیال[2] لاہور نے بھی اردو داں طبقہ کے اس عام خیال کی ترجمانی کی ہے کہ سانٹ حضرت اختر شیرانی کی ایجاد ہے۔[3]

تھوڑے سے پھیر کے ساتھ قیوم نظر نے بھی اردو میں سانٹ کے آغاز کا سہرا اختر شیرانی کے سر باندھا ہے وہ اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں کہ

"...... ایک بیان کے مطابق اردو میں پہلا سانٹ اگرچہ ن۔م۔ راشد نے لکھا لیکن جو سانٹ عوام کے سامنے شائع شدہ صورت میں آیا وہ اختر شیرانی کا تھا اور یوں اردو میں سانٹ کے آغاز کا سہرا اختر شیرانی کے سر رہا۔"

قیوم نظر نے اختر شیرانی کے اس پہلے شائع شدہ سانٹ کا عنوان اور اس کی اشاعت کی تفصیلات نہیں بتائیں جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا کہ ان کی رائے کس حد تک صحیح ہے اور ان تفصیلات سے چاہے اردو سانٹ کی ایجاد کا مسئلہ حل نہ ہوتا، البتہ یہ مفید بات ضرور معلوم ہو جاتی کہ اختر شیرانی کا سب سے پہلا سانٹ کون سا تھا اور وہ کب شائع ہوا۔

عزیز تمنائی جنھوں نے سانٹ کے ارتقا کا مطالعہ کیا ہے اور خود اردو میں اب تک سب سے زیادہ سانٹ لکھے ہیں، اردو سانٹ کی ایجاد کے مسئلے سے اپنا دامن بچائے رکھنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ وہ قطعیت کے ساتھ کسی ایک شاعر کا نام لینے سے ہچکچاتے ہیں، جو ان کی نظر میں اس کا موجد ہے۔ ان کے خیال میں اردو میں سانٹ کا وجود عظمت اللہ خاں، ن۔م۔ راشد اور اختر شیرانی کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔

"اردو زبان میں اس صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں عظمت اللہ خاں، ن۔م۔ راشد اور اختر شیرانی نے اس کی طرح ڈالی۔"

اس رائے میں حقائق کی تلاش اور ان کے باوثوق اظہار سے دانستہ دامن کشی ظاہر ہے۔ تیسری اور چوتھی دہائی کا فاصلہ کسی ادبی تحریک کے وسیع ہونے یا کسی صنفِ شاعری کے رواج پانے کے لئے تو زیادہ نہیں لیکن اس کی ایجاد یا ابتدا کو اتنے طویل عرصے پر نہیں پھیلایا جا سکتا۔ اس کے لئے ایک خاص وقت کا تعین ضروری ہے۔ اسی طرح کسی ایک شاعر کی نشان دہی بھی ضروری ہے۔ جس نے اس صنفِ شاعری کی ابتدا کی ہو۔ پھر جہاں تک عظمت اللہ خاں کا تعلق ہے اردو میں ان کا کوئی سانٹ نظر نہیں آتا۔ کالج کی تعلیم کے دوران انھوں نے چند سانٹ انگریزی میں ضرور لکھ کر کالج کے پرنسپل کو پیش کئے تھے، جنھیں اس نے بہ نظرِ پسند دیکھا تھا۔

ان شعرا کے ساتھ ایک نام اور سامنے آتا ہے۔ ڈاکٹر تصدق حسین خالد مرحوم کی آزاد نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مضمون نگار رقم طراز ہیں

حنیف کیفی بریلوی

ماں اپنے معصوم بچّے سے

(پٹرارکی سانیٹ)

اے مرے چاند، مری آنکھ کے تارے، مرے لال
اے مرے گھر کے اجالے، مرے گلشن کی بہار
تیرے قدموں پہ ہر اک نعمتِ کونین نثار
ہو ستاروں کی بلندی پہ ترا استقبال
تیری منزل بنے انسان کی معراجِ کمال
تیری محفل میں ہو دوشیزۂ گیتی کا سنگار
تیرا مقصود ہو پھیلائے تمدن کا نکھار
تیرا مشہود ہو مجموعۂ فطرت کا جمال

کس نے دیکھا ہے مگر، آہ! رخِ مستقبل
کب دھواں بن کے بکھر جائے یہ نیرنگِ مجاز!
رنگِ محفل ہی الٹ دے نہ بساطِ محفل
شدتِ نغمہ ہی بن جائے نہ ویرانیٔ ساز
اوجِ فردا کے تصور سے لرز جاتا ہے دل
کیا دعا دوں مرے بچے، ہو تری عمر دراز!

---

[1] جدید شاعری، ص ۱۰۳

[2] ہدیۂ تشکر بہ اشاعت "شہرستان" از اختر شیرانی

[3] اردو شاعری میں ہیئت کے تجربات مطبوعہ "نگار" بابت اپریل ۶۶ء

[4] "سانٹ کا تعارف" مضمون بحیثیت دیباچہ "برگِ نوخیز" از عزیز تمنائی

"...... سب سے پہلے جب میں نے خالد کی ایک نظم (ابھی تک تشنہ نکلی) کو دیکھا تو اسی فوقیت ثانیہ نے جس کا تذکرہ شروع میں کیا گیا ہے غیر شعوری طور پر ایک طفلانہ مسکراہٹ سے اسے رد کر دیا تھا لیکن میں اس سے پیشتر ان کی غزلوں کو بھی دیکھ چکا تھا جو قدیم شاعری کی تمام خصوصیت کی حامل ہوا کرتی تھیں۔ ان کی نظموں کو بھی میں نے دیکھا تھا جو روایات کہنہ کی پابندیوں کے ساتھ ایک آزاد تخیلانہ وجد اور بلند ترین ذہنی استغراق کے حسین امتزاج کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔ ان کے سانٹ بھی میرے پیش نظر تھے جو راشد وحیدی کے سانٹ کی طرح جذباتی تجربے کا بہترین محاکاتی مرقع ہوا کرتے تھے اس لئے میں نے سوچا کہ جو شخص قدیم شاعری کی پابندیوں کے ساتھ ایسے اچھے شعر کہہ سکتا تھا اس نے اس روش کہن کو یونہی بدل دیا۔"[1]

اس رائے سے دو تین باتیں سامنے آتی ہیں۔ ڈاکٹر خالد نے سانٹ یقیناً ۳۶ء (جبکہ اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے) سے پہلے نظم کئے ہوں گے۔ انھوں نے آزاد نظم ۱۹۲۵ء سے لکھنا شروع کی۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ سانٹ اس سے پہلے یا لگ بھگ اسی زمانے میں لکھے گئے ہوں گے اور اس طرح انھوں نے ن۔ م۔ راشد سے پہلے سانٹ کی ابتدا کی ہوگی کیونکہ ن۔ م۔ راشد کا سب سے پہلا سانٹ "زندگی" اپریل ۱۹۳۰ء کے "ہمایوں" میں شائع ہوا تھا لیکن راشد وحیدی (ن۔ م۔ راشد) سے تقابل سے ذہن اس طرف بھی منتقل ہوتا ہے کہ راشد نے پہلے سانٹ لکھے بدقسمتی سے خالد کا کوئی سانٹ دستیاب نہ ہو سکا جس سے اس بات کا فیصلہ کیا جا سکتا کہ ان دونوں حضرات میں سے پہلے کس نے سانٹ لکھا۔ بہرحال مندرجہ بالا عبارت سے ایک بات تو سامنے ہے وہ یہ کہ اختر شیرانی نے ان شعرا سے پہلے سانٹ نہیں لکھا ورنہ ان کی مثال ضرور دی جاتی جہاں تک ن۔ م۔ راشد کا سوال ہے انھوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انھیں سانٹ نگاری میں اولیت حاصل نہیں ہے بلکہ ان کا نمبر ان کے خیال کے مطابق دوسرا ہے اردو میں سانٹ کی ایجاد کا سہرا قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کے سر ہے۔ اس سے ہمیں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ راشد نے خالد سے پہلے سانٹ لکھے۔ ن۔ م۔ راشد اپنے خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں۔

"اردو میں سب سے پہلا سانٹ SONNET اختر جوناگڑھی نے لکھا تھا۔ دوسرا غالباً میں نے۔ جس کا عنوان تھا "زندگی" اور جو لاہور کے ایک ہفت روزہ اخبار کے پہلے صفحہ پر شائع ہوا اور اس کے بعد "ہمایوں" میں چھپا"[2]

راشد کی اس رائے سے حقائق کی تلاش میں صحیح رہنمائی ہوتی ہے اور پہلی مرتبہ ہمارے سامنے ایک غیر معروف نام (شاعری میں) آتا ہے جو اردو سانٹ کا جنم داتا ہے۔ لیکن راشد نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ سانٹ کب لکھا گیا۔ شاید اسی لئے ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں اور اسی عام نظریہ کا سہارا لیتے ہیں جس کی نمائندگی ڈاکٹر عبادت کی رائے سے ہوتی ہے۔ اعظمی صاحب لکھتے ہیں۔

"اختر شیرانی نے پہلے پہل سانٹ کو اردو میں متعارف کرایا جو "نیرنگ خیال" اور دوسرے رسالوں میں شائع ہو کر مقبول ہوئے"[3]

لیکن اس رائے کے ساتھ وہ یہ ذیلی اشارہ (FOOT NOTE) بھی دیتے ہیں۔

"ن۔ م۔ راشد نے اپنے خود نوشت حالات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اردو میں پہلا سانٹ اختر جوناگڑھی نے لکھا لیکن یہ سانٹ باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ اعظمی صاحب خود اپنی رائے کی طرف سے مشکوک ضرور ہو گئے تھے لیکن اس سانٹ کی نایابی کے پیش نظر وہ راشد کی اس رائے کو سند ماننے اور ان کے قول پر آمنا صدقنا کہنے سے اجتناب کرنے میں حق بجانب تھے۔ البتہ ان کی تلاش میں ناکامی نے تلاش کے نئے دروازے ضرور کھول دئے۔ تشنگی تجسس کی دلچسپی کا سامان فراہم ہوا۔ اسے تحریک عمل ملی۔ اس کا ذوق جستجو بڑھا۔ ایسے عالم میں اسے قرار کہاں! بالآخر اس نے اپنی منزل مقصود پا ہی لی۔ یہ سانٹ "شہر خموشاں" کے عنوان سے "الناظر" لکھنؤ بابت نومبر ۱۹۱۲ء کے صفحہ ۱۳ پر موجود ہے عنوان کے نیچے لفظ "سانٹ" کا ترجمہ "مسبع" خطوط وحدانی میں دیا ہوا ہے اور ذیلی اشارہ کے طور پر مسبع کے لئے انگریزی میں "SONNET" لکھ دیا گیا ہے۔ اس سانٹ کی اشاعت سے یہ دلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کا ظہور اس وقت ہو چکا تھا جب تصدق حسین خالد تیرہ برس کے، اختر شیرانی نو سال کے اور ن۔ م۔ راشد صرف چار سال کے بچے تھے اس عمر میں راشد کے شعر کہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ خالد اور اختر کی شعر گوئی تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن سانٹ نگاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اختر جوناگڑھی کا یہ سانٹ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے اردو کا سب سے پہلا سانٹ[4] ہے۔

---

[1] پروفیسر ایم۔ اے۔ ہیوم ڈیپارٹمنٹ "ڈاکٹر خالد کی شاعری پر ایک نظر" مطبوعہ ماہنامہ "نیرنگ خیال" لاہور ۱۹۳۶ء، ص ۱۳۲

[2] میری بہترین نظم مرتبہ محمد حسن عسکری (۱۹۴۲ء) شائع کردہ کتابستان، الہ آباد ص ۱۸۶، ۱۸۷۔

[3] اردو نظم کا نیا رنگ و آہنگ (تنقیدی مطالعہ) (۱۹۱۴ء تا ۱۹۳۶ء) مطبوعہ سوغات، جدید نظم نمبر ص ۱۰۹

"شہر خموشاں"

(مسبع)

کیا ہی یہ شہر خموشاں دل شکن نظارہ ہے
کتنی عبرت خیز ہے اس کی یہ پُر غم خامشی
اک حسرت سی برستی ہے دمِ نظارگی
دیکھ کر جس کو دلِ مضطر ہے پارہ پارہ
خاک کے تودے پڑے ہیں جابجا اس شان سے
کوئی تو قبر شکستہ ہے کوئی اجڑی ہوئی
سبزہ خودرو کہیں ہے اور کہیں کائی جمی
ہیں پڑے سنگِ لحد بھی قالبِ بے جان سے
ہوگئے بے پردہ ہر اک گنجِ مصیبت یہاں
سو رہا ہے خلق عیش و شادمانی چھوڑ کر
سبزہ ان کی قبر پہ لہلہاتا سوگوار
صرف اک شبنم بہاتی ان پہ ہے اشکِ ملال
آہ کیسی بےکسی ہے خفتگانِ خاک پر
ہے عجب شہر خموشاں کا بھی اک اجڑا دیار

(انداز، لکھنؤ بابت دسمبر ۱۹۱۲ء)

سانٹ میں مصرعوں کی تعداد کے برابر برسوں یعنی پورے چودہ سال کے بعد یہ سانٹ کافی ترمیم کے بعد شاعر کے مجموعۂ کلام لمعات اختر میں شائع ہوا جو آگرہ اخبار پریس آگرہ کی وساطت سے ۱۹۲۸ء میں منظرِ عام پر آیا۔ مجموعہ کے صفحہ ۴۴ پر اس سانٹ کی ترمیم شدہ شکل یہ ہے:

"شہر خموشاں"

(مسبع)

کیا ہی یہ شہر خموشاں دل شکن نظارہ ہے
کیسی عبرت خیز ہے اس کی پُر غم خامشی
حسرت و بیچارگی ہے ہر طرف چھائی ہوئی
دیکھ کر جس کو دلِ مضطر بھی پارہ پارہ ہے
خاک کے تودے پڑے ہیں جابجا کس شان سے
سبزہ خودرو کہیں ہے اور کہیں کائی جمی
قبر ہے کوئی شکستہ کوئی ہے اجڑی ہوئی
ہیں پڑے سنگِ لحد بھی قالبِ بے جان سے
چھوٹ کر قیدِ مصیبت سے کوئی آکر یہاں
سو رہا ہے فکرِ عیش و شادمانی چھوڑ کر
ان کی تربت پر فقط سبزہ ہے تنہا سوگوار
صرف اک شبنم ہے ان کے حال پر گریہ کناں
بےکسی چھائی ہے کیسی خفتگانِ خاک پر
آہ یہ شہر خموشاں بھی ہے کیا اجڑا دیار

(لمعات اختر)

اردو کا یہ سب سے پہلا سانٹ فنی حیثیت سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ سانٹ کی اصل اور بنیادی شکل یعنی پیٹرارک کی (PETRARCHAN) طرز میں نظم کیا گیا ہے، صرف اس معمولی سے فرق کے ساتھ کہ اس میں بجائے پانچ کے چھ قافئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اس سانٹ کی ترتیب قوافی یہ ہے:

"ا ب ب ا ج ب ب ج، ہ د ز ہ د ز"

جبکہ پیٹرارک کی سانٹ میں ترتیب قوافی اس طرح ہوتی ہے

"ا ب ب ا ا ب ب ا، ہ د ز ہ د ز"

اس طرح اختر کے سانٹ میں ثمن (OCTAVE) کے پانچویں اور آٹھویں مصرعہ کا قافیہ پیٹرارک کی سانٹ کی اصل ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ اگر اختر اس طرف ذرا سی توجہ دیتے تو اس فارم کی مکمل پابندی کی بھی یہ اولین مثال ہوتی۔ تاہم اس معمولی فروگذاشت یا دانستہ تبدیلی سے سانٹ کی فنی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اکثر انگریزی شعراء نے بھی اس سلسلہ میں آزادی اور تغیر پسندی سے کام لیا ہے۔ بجا ہے ان کی یہ روش غیر مستحسن اور بے ضابطہ بھی کیوں نہ ہو۔ پھر بعد کے اردو شعراء نے عام طور پر اس حد تک بھی پابندی نہیں کی ہے۔ زیادہ تر نے تو سانٹ کی تکنیک کا کوئی لحاظ ہی نہیں رکھا ہے۔ پیٹرارک کی سانٹ کے تمام فنی اصولوں کے تحت اگر اس سانٹ کی جانچ کے لئے سخت ترین نظریہ اپنایا جائے تو ایک فرق اور نظر آتا ہے وہ یہ کہ اس میں وقفہ (CAESURA) اور گریز (VOLTA) مفقود ہے۔ اس طرح اس کا رشتہ ملٹن کے سانٹوں سے جا ملتا ہے جن کے لئے یہ عیب عیب میں شمار نہیں ہوتا۔ یہ سانٹ اس بات کی دلیل ہے کہ اختر جوناگڑھی نے سانٹ کے اصل نمونوں کو پیش نظر رکھ کر پوری سوجھ بوجھ اور مکمل شعور و تمیز کے ساتھ اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ انگریزی شاعری پر ان کی نظر کتنی گہری تھی حقیقتہً نہ صرف ان کے اس سانٹ سے بلکہ ان کے مختصر مجموعۂ کلام کی انگریزی طرز پر تمام طبعزاد نظموں اور منظوم ترجموں سے بھی ظاہر ہے۔

جہاں تک شاعرانہ خصوصیات کا تعلق ہے یہ نظم کسی خاص خوبی کی حامل نہیں سوائے اس کے کہ اس میں ایک حساس دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، ایک بیدار ذہن کارفرما معلوم ہوتا ہے، اپنے گردوپیش سے دلچسپی لینے والی نظر مصروفِ مشاہدہ نظر آتی ہے۔ چند سیدھے سادے تاثرات کو سیدھے سادے الفاظ میں بیان

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

سید فضل المتین

نذر غالب

پھر دلِ خاک بسر یاد آیا
کوئی بھولا ہوا در یاد آیا

آخری شب کا ستارہ ٹوٹا
کون ہنگامِ سحر یاد آیا

جگمگا اٹھا سوادِ منزل
کون یہ وقتِ سفر یاد آیا

زندگی ساری سفر میں گذری
کبھی بھولے سے نہ گھر یاد آیا

کرلیا ترکِ تعلق تو متین
کیا کروگے وہ اگر یاد آیا

اختر راہی

اخبار حیدری

(گذشتہ سے پیوستہ)

تبت

براہ نیپال خبر آئی کہ ملک تبت میں آتش جنگ وفساد بدرجہ تصوری مشتعل ہے اور راجایان سابق وحال جنہیں لاماں کہتے ہیں مستعد جدال وقتال ہیں اور اب ایک لاماں نے تو فغفور چین سے کمک طلب کی اور دوسرے راجہ نے سرکار نیپال سے امداد چاہی ہے چنانچہ ذکر اس فساد عظیم کا پہلے ہی درج صحیفہ مجمع البحرین ہو چکا ہے دیکھا چاہئے یہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے اور انجام اس جنگ وپرخاش کا کیا ظہور میں آتا ہے........ از مجمع البحرین

(پندرہ دسمبر ۱۸۶۲ء)

ایجاد کاغذ

صاحب مہتمم اخبار عالم بعد اکس ونجاب نے لکھا ہے کہ ملک فرانس میں کسی عورت نے لکڑی سے کاغذ بنانے کا ایک تازہ ایجاد کیا ہے۔ پہلے لکڑی کو تراش کر پارہ پارہ کرتی ہے اور بعد کچھ مصالح ملا کر بیلن نامی آلہ سے کاغذ بناتی ہے۔ یہ کاغذ چین کے کاغذ کے مانند ہے۔

(یکم جنوری ۱۸۶۲ء)

سہسرام

سہسرام میں ایک تالاب کے درمیان شیر شاہ کی قبر ہنوز موجود ہے۔ یہ بادشاہ قوم افغان سے ہندوستان میں بہت مشہور ہے اور بڑا صاحب عزم اور نیک ذات اور بخیر تھا۔ ہمایوں بادشاہ سے اوس کے بہت مقابلے رہے اور اوسی بادشاہ کے عہد میں شیر شاہ نے عروج پایا۔ کرم ناسا کے اوس طرف مسلمانوں کے عہد کی پرانی عمارتیں بہت کم ہیں۔ شاید یہی ایک ہو۔ ایک اخبار سے واضح ہے کہ سرکار عظمت مدار نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ اوس کی مرمت شکست وریخت کے واسطے اور تالاب کی صفائی کے لئے خرچ کرنا تجویز کیا ہے اگرچہ اس قدر روپیہ ایسے کام میں خرچ کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن جو کچھ فائدہ اس تالاب سے سرکار نے دیکھا ہو تو تعجب نہیں کیونکہ سرکار کوئی کام بلا حصول نہیں کرتی ہے۔ ایضاً (انوار الابصار)

(پندرہ دسمبر ۱۸۶۲ء)

ریل

خبر ہے کہ نصف ماہ دسمبر میں مونگیر سے دانا پور تک اور ۱۵ دسمبر کو پٹنہ سے بنارس تک ریل کی آمد ورفت جاری ہو جائے گی اور غالب ہے کہ اس عرصہ میں آگرہ سے علی گڑھ تک اجرا اس کا عمل میں آوے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ قریب ایک سو گھنٹہ میں مسافر کلکتہ سے لاہور تک پہنچ جایا کریں گے۔

از کلکتہ	تا ہوڑا	کشتی پر	۲ میل	ایک گھنٹہ
از ہوڑا	تا بنارس براہ پٹنہ	ریل پر	۴۵۰ میل	۲۰ گھنٹہ
از بنارس	تا الہ آباد	سڑک پر	۷۰ میل	۱۰ گھنٹہ
از الہ آباد	تا آگرہ	ریل پر	۲۵۰ میل	۱۱ گھنٹہ
از آگرہ	تا علی گڑھ	ریل پر	۸۰ میل	۴ گھنٹہ
از علی گڑھ	تا امرتسر	سڑک پر	۳۲۰ میل	۵۵ گھنٹہ
از امرتسر	تا لاہور	ریل پر	۳۲ میل	۱ گھنٹہ

یہ اخبار انگریزی حکومت کا حامی اور حاشیہ بردار تھا مندرجہ بالا اقتباسات سے بھی اس کی پالیسی کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے۔ ذیل میں دو مزید اقتباسات درج ہیں جن سے اخبار مذکور کی پالیسی پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

خبر بیکانیر

ایک مہربان کے نامہ سے معلوم ہوا کہ راجہ صاحب والی بیکانیر کے واسطے بھی شہنشاہ ملکہ معظمہ ہندوانگلینڈ سے ایک فرمان نیکنامی اور سند اضافہ جاگیر اور خلعت گراں بہا بعوض اس خیر خواہی کے جو ایام مفسدہ میں ان سے ظہور میں آئی تھی آیا ہے اور یہ خلعت صاحب سکریٹری گورنر جنرل بہادر راجہ صاحب کے واسطے لائے ہیں......... از مجمع البحرین۔

(پندرہ جنوری ۱۸۶۲ء)

احوال نانا مفسد

اخبار کراچی سے معلوم ہوا کہ نانا راؤ مفسد کے دو حلیہ بذریعہ چٹھیات انگریزی ایک واسطے ملاحظہ صاحب مجسٹریٹ ضلع کانپور اور دوسرا واسطے صاحب ضلع مقام دوارکا بھیجی گئی ہیں اور تا ایا جوابات صاحبان اطلاع شدہ کردہ مفسد مذکور سنٹرل جیل کراچی میں مقید رہے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی یہ شخص گرفتار کے نانا ہونے میں اشتباہ ہے ورنہ اب تک چالان اوس کا کانپور کو ہو گیا ہوتا۔ فقط ایضاً

(مجمع البحرین) پندرہ جنوری ۱۸۶۲ء

ادبی نقطۂ نظر سے اس اخبار کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ ان اکیس شماروں میں صرف تین غزلیں شائع ہوئی ہیں ایک قائم علی قہر (باقی صفحہ ۱۴ پر)

مراسلہ

غالب کی رہبر شناسی

مرزا غالب کا یہ شعر آپ کے ذہن میں ہوگا۔ "چلتا ہوں تھوڑی دور" ذرا اسے پڑھیے گا:۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

معاف کیجیے گا، غالب کے اس شعر پر آپ نے خواہ مخواہ اصلاح فرمائی ہے۔ اصل شعر یوں ہے:۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

غور فرمائیں، غالب کے اس تیز گام اور ناشناس رہبر کو عامی و ادنیٰ "راہ رو" بنانے کا آپ کو مطلق حق نہیں۔ یا نہ شعر میں غلط نہیں لکھا۔ دیوان غالب کے کسی مستند نسخے کو اٹھا دیکھیے۔ نسخۂ حسرت موہانی (۱۹۱۳ء)، نسخۂ نظامی بدایونی (۱۹۲۲ء)، نسخۂ برلن (۱۹۲۳ء)، نسخۂ عرشی (۱۹۵۸ء)، نسخۂ پرتھوی چندر (۱۹۶۶ء) ہر جگہ بجز اختلاف "اک" یا "ایک" آپ "تیز رو" ہی پائیں گے۔

ہماری زبان شمارہ ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء میں جناب آل احمد سرور نے غالب کے تیس بہترین اشعار کا ذاتی انتخاب شائع کیا ہے۔ ان میں یہ شعر سولہواں ہے اور یوں ہے:۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

میرے ذہن میں "تیز رو" تھا۔ ہماری زبان میں یہ شعر دیکھ کر مجھے گمان ہوا کہ غالباً "تیز رو" غلط ہے اور صحیح "راہ رو" ہے، پر جب نسخۂ عرشی دیکھا اور دوسرے مستند نسخوں کو اٹھا تو میرے حافظہ کا شعر درست تھا۔

سفر پٹنہ میں عندالملاقات میں نے کلیم الدین صاحب، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر اختر احمد، جناب کلیم عاجز، پروفیسر عطا کاکوی، پروفیسر سید حسن سے بھی اس موضوع پر گفتگو کی۔ ان میں سے ہر فرد کے حافظہ میں یہ شعر "راہ رو" کے ساتھ تھا، کسی نے "تیز رو" کے ساتھ نہ پڑھا۔

"تیز رو" کی یہ تبدیلی حیرت کی بات ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ ہمارے ذہنوں میں "راہ رو" کیسے آ گیا اور وہ بھی یوں کہ اسے قبول عام کی سند حاصل ہو گئی ہے؟

لطف کی بات یہ ہے کہ اقبال کے ذہن میں بھی یہ شعر "راہ رو" کے ساتھ محفوظ تھا۔ بال جبریل میں اقبال نے اپنے اشعار کے ساتھ غالب کے اس شعر کو اساسی حیثیت دے کر شامل کیا ہے وہ بو علی اور رومی کو "بندۂ صاحب نظر" کی تلاش میں پریشان و حیران دیکھتے ہیں جو غالب کے اسی شعر کو پڑھ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ نظم "فلسفہ و مذہب" کا آخری شعر "راہ رو" کے ساتھ یوں تحریر ہے:۔

"چلتا ہوں تھوڑی دور ہر راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں"

میرے پاس دیوان غالب کے وہ دو نسخے نہیں جو غالب کی حیات میں شائع ہوئے تھے اس لئے میں شرح کلام غالب کی طرف خیال گیا۔ حالی سب سے پہلے سامنے آئے کہ غالب کے کچھ اشعار کے معانی و مطالب پر انھوں نے خود براہ راست غالب سے رجوع کیا تھا، یادگار غالب میں حالی نے اس شعر کو "تیز رو" کے ساتھ تحریر کیا ہے اور غالب کی شاعری پر ریویو کرتے ہوئے ان الفاظ میں اس کی تشریح کی ہے۔

"..... طالب راہ خدا کو جو حالت ابتدا میں پیش آتی ہے اس کو اس تمثیل میں بیان کیا ہے۔ طالب اول اول جس شخص میں کوئی کرشمہ یا وجد و سماع و جوش و خروش دیکھتا ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے، پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اس کا تعاقب کرتا ہے۔ وعلیٰ ہذا اور وجہ اس تذبذب کی یہی تو ہے کہ وہ کامل کو پہچان نہیں سکتا۔"

سید وحید الدین بیخود نے اپنی شرح مرآۃ الغالب میں بھی اس شعر کو تیز رو کے ساتھ تحریر کیا ہے اور وہ حالی کی شرح سے اتفاق کرتے ہیں۔

جناب عطا، محسن، کلیم اور چند دیگر صاحبان ذوق مصر ہیں کہ راہ رو ہی احسن و افضل ہے۔ محض مستند نسخوں کی میں تیز رو موجود ہونا قابل قبول نہیں۔

متعدد مستند نسخوں کی شہادت سے قطع نظر، خود میں سمجھتا ہوں کہ غالب کے متلاشی رہبر کا شعور یقیناً تیز رو کا ہی متقاضی تھا۔ ان کی انا ہر راہی کی رفاقت کو ہرگز برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس ضمن میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ:

(۱) ہر راہ رو میں رہبری کی صلاحیت نہیں ہوتی
(۲) تیز روی اسی شخص سے ممکن ہے جو راہ اور منزل دونوں سے واقف ہوتا ہے۔
(۳) تھوڑی دیر اس حقیقت کا کھلا اعتراف ہے کہ یہ بظاہر تیز رو شخص بھی غالب جیسے جویائے حقیقت کی رہبری کے قابل نہ تھا۔

غالب صد سالہ برسی کی عالمگیر تقریبات کے شور اور شہرت میں غالب کے اس شعر پر غالب شناسوں اور سخن فہموں سے اظہار خیال کی گذارش بے جا نہ ہوگی۔ غالب کی رہبر شناسی میں اگر ہم غالب کا یہ مشہور شعر بھی پیش ذہن رکھیں تو اس پس منظر میں تیز رو یا راہ رو کے تقابلی تصور میں زیادہ لطف حاصل ہوگا۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے   نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

(ڈاکٹر) سید حسنین

نوٹ: یہ انتخاب حافظہ کی مدد سے کیا تھا اور حافظہ بعض اوقات دھوکا بھی دیتا ہے۔ صحیح تیز رو ہی ہے۔ (ادارہ)

اردو کے لئے مطالبہ کرنا فرقہ پرستی نہیں ہے

ناناجی دیش مکھ کا اعتراف

سونا تھ بھجن ۲۰ مارچ۔ آل انڈیا جن سنگھ کے جنرل سکریٹری جناب ناناجی دیش مکھ نے یہاں ایک پریس کانفرنس میں اس سوال کے پوچھے پر کہ کیا اردو کا مطالبہ کرنا فرقہ پرستی ہے؟ ناناجی دیش مکھ نے کہا کہ اردو کے ترقی و ترویج کے لئے کوشش کرنا یا لڑنا فرقہ پرستی نہیں ہے۔ مگر ہندی اس ملک کی سرکاری زبان ہے اسے سیکھنا ضروری ہے۔ (قومی آواز)

اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے

گورکھپور:۔ ضلع کمیونسٹ (مارکس وادی) پارٹی کے ایک جلسے میں جس کی صدارت جناب راج منگل شرما نے کی جلسے میں ریاست کی برسراقتدار پارٹی سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ وہ اردو کو ریاست کی دوسری سرکاری زبان بنانے کا اعلان کردے کیونکہ محبان اردو اس سے کم کسی سہولت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ (قومی آواز)

امریکہ میں غالب صدی تقریب

نئی دہلی:۔ ۲۰ مارچ۔ نیویارک کے ہندوستانی سفارت خانے میں غالب کی صد سالہ برسی کی تقاریب منائی گئیں۔ امریکہ میں ہندوستان کے سفیر نواب علی یاور جنگ نے اس تقریب کی صدارت کی اس میں غالب کے ڈھائی سو سے زیادہ مداحوں نے شرکت کی۔ جلسہ میں شریک حضرات میں بہت سے امریکی بھی تھے۔ نواب علی یاور جنگ نے مرزا غالب کی زندگی اور شاعری پر مختصر تقریر کی اور انھیں ہندوستان کے ان عظیم ترین شاعروں میں بتایا جنھوں نے اپنی لافانی تخلیقات سے اردو ادب کو مالا مال کیا انھوں نے کہا کہ غالب کی شاعری کو ان کے دور میں مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جتنا کہ آج۔ ان کے اشعار ہندوستان کی مشترک ثقافت کے مظہر ہیں۔ واشنگٹن میں ہندوستانی سفارت خانے میں وزیر جناب ایم۔ جی۔ کول نے غالب کا موازنہ ورڈس ورتھ سے کیا اور کہا کہ دونوں شاعروں نے روزمرہ کی زبان کو شاعری کے معراج کمال تک پہنچایا۔ اس موقع پر گلوکار استاد امیر خاں نے غالب کی غزلیں سنائیں ان کے علاوہ ممتاز اردو شاعر اعجاز احمد نے بھی غالب کی غزلیں پڑھیں۔ (قومی آواز)

لندن میں جشن غالب

نئی دہلی: برطانیہ میں ہندوستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر جناب پی این کول نے جو غالب کمیٹی کے صدر بھی ہیں، ۱۸ مارچ کو لندن میں انڈیا ہاؤس میں غالب کی صد سالہ تقریبات کا افتتاح کیا۔ یہ تقریب برطانیہ میں غالب کی صد سالہ تقریبات سے متعلق کمیٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ ہندوستانی ہائی کمشنر جناب شانتی اسپ دھون نے جو اس کمیٹی کے سرپرست ہیں، ایک پیغام میں غالب کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ انھوں نے اپنے پیغام میں غالب کو عالمی شاعر بتاتے ہوئے کہا کہ وہ ایک ایسی زبان کے مالک تھے جو ہند اور پاکستان دونوں ملکوں میں مشترک ہے لہذا ہندوستان اور پاکستان کے لئے ان کی بات خاص معنی رکھتی ہے۔ انھوں نے اپنے پیغام میں غالب کی شاعری اور نوع انسانی کے تئیں ان کے نظریات پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر مقامی ہندوستانی موسیقاروں کی ایک جماعت نے حاضرین کو غالب کی مشہور غزلیں سنا کر محظوظ کیا۔

مارشس میں غالب صدی تقریب کا پروگرام

پورٹ لوئیس، مارشس کے اردو دوستوں کی ادبی انجمن کا ایک جلسہ آنریبل حاجی ابراہیم داؤد کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں اردو کے مشہور شاعر مرزا غالب کی صد سالہ برسی پر ہونے والی تقریبات کی تفصیلات پیش کی گئیں۔ اس جلسے میں ہندوستانی سفارت خانہ کے جناب اقبال سنگھ، امام بشر وری، علامہ رشید، ڈاکٹر رو علی، جناب سلطان، جناب عبد اللطیف، مولانا بارول بھنتی احمدی ادا د ملاک، عبد الکریم اور زین العابدین کے علاوہ مختلف سماجی تہذیبی اور ادبی حلقوں کے سربراہ موجود تھے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شعبۂ اردو کے استاد اطہر پرویز جو یہاں ایجوکیشن آفسر کی حیثیت سے عارضی طور پر آئے ہوئے ہیں غالب کی شاعری پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ غالب کی شاعری زندگی اور آرزو کی شاعری ہے جس میں انسانیت کی قدریں اور روایات ہیں۔ غالب کی شاعری اپنی انسان دوستی کی وجہ سے انسان کی آفاقی وراثت کا حصہ ہوگئی ہے انھوں نے کہا کہ ساری دنیا غالب کا صد سالہ جشن منا رہی ہے اور مارشس میں بھی اس عظیم شاعر کی یاد میں جشن ہوگا۔ انھوں نے اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ مارشس کے قائم مقام وزیر اعظم عبدالرزاق محمد نے تقریبات غالب کی کمیٹی کا سرپرست اعلیٰ ہونا منظور فرمایا ہے۔ اطہر پرویز صاحب نے ان حضرات کے ناموں کا اعلان کیا جو اس کمیٹی کے رکن ہیں۔ آنریبل ابراہیم داؤد نے اپنی تقریر میں کہا کہ انھیں یقین ہے کہ مارشس کے لوگ جشن غالب بڑے دھوم دھام سے منائیں گے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ خاص طور پر نوجوان لوگ ان تقریبات کو کامیاب

بنانے میں کمیٹی کی مدد کریں گے اور ساتھ ہی غالب کے کلام سے فائدہ اٹھائیں گے۔ (نامہ نگار)

غالب کی صدسالہ تقریب کے سلسلہ میں گورنمنٹ مدرسۂ اعظم مدراس کا مشاعرہ

مدراس: ۵؍ مارچ ۶۹ء گورنمنٹ مدرسۂ اعظم لٹریری سوسائٹی کے زیر اہتمام بتقریب صدسالہ مرزا اسداللہ خاں غالب ایک غیر طرحی مشاعرہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر حیدر علی خاں صاحب حیدر ایم۔ اے، ایل۔ ٹی ریڈر مدراس یونی ورسٹی نے فرمائی۔ مشاعرہ کے آغاز میں مدرسۂ ہٰذا کے طلبہ نے غالب کی غزلیں سنائیں۔ اس کے بعد شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ (نامہ نگار)

لائنز کلب بنارس میں شام غالب

بنارس:۔ لائنز کلب بنارس میں اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب کی سو سالہ یادگار منانے کے لئے شام غالب کے عنوان سے ایک مخصوص جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ جلسے میں شہر کے معزز وکلا، ڈاکٹر، جج، اردو داں اور تاجر شریک ہوئے۔ ڈاکٹر دلیپ راج صدر شعبۂ فلاسفی و ڈین فیکلٹی آف آرٹس بنارس ہندو یونی ورسٹی، ڈاکٹر حکم چند نیر استاد شعبۂ اردو اور بنارس کے معزز شاعر راز داں بنارسی نے خصوصی مہمانوں کی حیثیت سے شرکت کی۔ (نامہ نگار)

انجمن ترقی پسند مصنفین لکھنؤ کے جلسہ میں پروفیسر احتشام حسین کی تقریر

لکھنؤ:۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے زیر اہتمام ادیبوں کے ایک اجتماع میں پروفیسر احتشام حسین نے پچھلے دو سو برس کے ادب اور ادبی تحریکات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ کسی زبان کا ادب محض لفظوں کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ اس کے لئے فکر کی گہرائی اور ادبی حسن ضروری ہے۔ دنیا کا اعلیٰ ترین ادب حسن اور فکر کے اس عنصر سے خالی نہیں ہے جس سے ہمیں یہ محسوس ہو سکے کہ وہ اعلیٰ ہے اور جو یہ بتانے میں مددگار ہو کہ کسی ادب کو اعلیٰ ترین کیوں کہا جائے بہترین ادب جس دور میں پڑھا جاتا ہے اس دور کے علم و شعور کے مطابق اس سے فیضان حاصل کیا جا سکتا ہے۔ انسانی آزادی، عظمت اور بہتری کا علم گہری فکر کے ذریعہ ہی بلند رہ سکتا ہے۔ انھوں نے نوجوان ادیبوں اور شاعروں کو مشورہ دیا کہ وہ ان آدرشوں کو سامنے رکھتے ہوئے ادبی تخلیق کریں اور انسانی بہتری و بھلائی کے خواب نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ (نامہ نگار)

کلکتہ میں غالب صدی کی تقریبات کی تفصیلات

کلکتہ:۔ غالب صدسالہ برسی کمیٹی کے سابقہ فیصلے کے مطابق غالب صدی کی تقریبات کلکتہ میں انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کے زیر اہتمام ۱۹؍ اپریل سے ۲۷؍ اپریل تک منعقد کی جائیں گی اس نو روزہ پروگرام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سنیچر ۱۹؍ اپریل۔ جلسۂ افتتاحیہ، اتوار ۲۰؍ اپریل۔ سیمنار تمثیلی مشاعرہ و قوالی، پیر ۲۱؍ اپریل۔ سیمنار، منگل ۲۲؍ اپریل موسیقی نغمہ سرائی، بدھ ۲۳؍ اپریل۔ طلبہ کے درمیان تقریری اور نغمہ سرائی کے مقابلے، جمعرات ۲۴؍ اپریل، مختلف زبانوں کے شعراء کا غالب کو خراج عقیدت، جمعہ ۲۵؍ اپریل سیمنار، سنیچر ۲۶؍ اپریل۔ اردو کانفرنس ڈیلی گیٹ سیشن، مشاعرہ، اتوار ۲۷؍ اپریل۔ اردو کانفرنس جلسہ عام، مشاعرہ، تقریبات کے افتتاح کے لئے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے درخواست کی گئی ہے۔ کانفرنس کی صدارت کے لئے پنڈت آنند نرائن ملا اور مشاعرے کی صدارت کے لئے پروفیسر آل احمد سرور سے درخواست کی گئی ہے۔ وزیر اعلیٰ مغربی بنگال، نائب وزیر اعلیٰ مغربی بنگال اور وزیر تعلیم مغربی بنگال کو ان تقریبات میں شرکت کے لئے خصوصی دعوت دی جا رہی ہے۔ سیمنار کی صدارت کے لئے جناب قاضی عبدالودود (پٹنہ)، ڈاکٹر سونتی کمار چٹرجی اور تارا شنکر بنرجی کے نام طے کئے گئے ہیں جن سے مختلف سیمناروں میں صدارت کی درخواست کی جائے گی سیمنار میں مختلف زبانوں کے ادبا اور دانشور حضرات کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے غالب کے کلام کی نغمہ سرائی کے لئے بمبئی اور کلکتہ کے مشہور پلے بیک سنگرس کو دعوت شرکت دی گئی ہے اور ان کی شرکت متوقع ہے۔ اس موقع پر انجمن دو مستقل کتابیں شائع کر رہی ہے جس میں ایک غالب پر اردو مضامین کا مجموعہ ہے اور دوسرا غالب کے منتخب کلام کا بنگلہ ترجمہ۔ دونوں کتابیں اس وقت کتابت و طباعت کے مرحلے پر ہیں۔ ان کتابوں کی تیاری میں کافی زحمت برداشت کی گئی ہے اور امید ہے کہ یہ کوششیں کامیاب ہوں گی اس موقع پر ایک یادگار مجلہ بھی شائع کیا جائے گا۔ جس میں اردو کے علاوہ بنگلہ، انگریزی اور ہندی میں بھی مضامین ہوں کوشش کی جا رہی ہے کہ جو نمائش دہلی میں جشن غالب کے موقع پر لگائی گئی تھی وہ کلکتہ میں اس موقع پر لگائی جا سکے۔ اپنے طور پر تصانیف وغیرہ کی نمائش کی کوشش بھی کی جا رہی ہے کلکتہ کے ایک اہم شاہراہ کا نام بدل کر مرزا غالب روڈ رکھنے کی تجویز امید ہے کہ عنقریب کلکتہ کارپوریشن سے منظور ہو جائے گی مشاعرہ میں شرکت کے لئے سارے ہندوستان کے ممتاز شاعروں کو دعوت دی گئی ہے جن میں حضرت فراق گورکھپوری

روش صدیقی، مخدوم محی الدین، سردار جعفری، جمیل مظہری، آنند نرائن ملا، مسعود واحدی، ابوالحسنی گنوری وغیرہ شامل ہیں۔ تقریبات کی تیاریاں جو رہی ہیں طلبہ کے درمیان مضامین کا ایک انعامی مقابلہ کرایا گیا ہے جس کے لئے کافی مضامین موصول ہو چکے ہیں۔ ۱۵ر مارچ اس کی آخری تاریخ تھی جس کے بعد اردو کے ماہرین ان مضامین پر اپنے فیصلے دیں گے۔ تقریبات کے موقع پر غالب میلہ بھی کیا جا رہا ہے اور غالب کے نام سے طلبہ کو انعامات اور وظیفے دینے اور غالب ہال بنانے کی بھی تجویز ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے کام کے لئے بڑی رقم کی ضرورت ہے اور اسے ہم نے اردو دال اور غالب نواز حضرات کے تعاون کی امید پر ہی شروع کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سلسلے میں ہمیں ہر طرح کی کامیابی ہوگی۔ سرپرست مجلس استقبالیہ کے ممبر اور سرپرست بنائے جا رہے ہیں۔ مجلس استقبالیہ کی ممبری فیس دس روپے اور سرپرستی کا عطیہ کم از کم سو روپیہ ہے اس کے علاوہ جو بھی عطیہ پیش ہوگا وہ شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ اردو دوستوں اور غالب نوازوں سے ہماری اپیل ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں مجلس استقبالیہ کے ممبر بنیں اور ہر ممکن طریقہ سے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

(کنوینر غالب صد سالہ برسی کمیٹی)

جموں میں غالب صدی کی اور دوسری ادبی تقریبات

جموں۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۶۹ء کو ریاستی کلچرل اکیڈیمی کے زیر اہتمام ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوا جس میں منجملہ دوسرے شعراء کے تاباں، جذبی، جگن ناتھ آزاد، خلیل الرحمن اعظمی، نازش پرتاب گڑھی، کمال احمد صدیقی اور بیکل اتساہی نے شرکت کی۔ اگلے دن یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں ایک شعری نشست ہوئی جس میں تاباں، آزاد، کمال اور دوسرے مقامی شعرا نیز شعبے کے اساتذہ نے اپنا کلام سنایا۔ ۱۴ر فروری ۱۹۶۹ء کو غالب تقریبات کا افتتاح ہوا۔ ریاستی غالب کمیٹی نے ۱۴، ۱۵، ۱۶ر فروری کو زنانہ کالج ہال میں جلسے کئے۔ پہلے روز اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کا غالب کی غزل خوانی کا مقابلہ ہوا۔ ۱۵ر فروری کو وزیر اعلیٰ جناب غلام محمد صادق کی صدارت میں ایک غالب سمپوزیم ہوا جس میں پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر گیان چند، جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر ویدرب سوم ناتھ اور کمال احمد صدیقی نے مقالے پڑھے۔ ۱۶ر فروری کو کشمیری اور ڈوگری شاعری پر غالب کا اثر کے عنوان سے ایک سمپوزیم ہوا۔ ۱۸ر فروری کو جموں غالب کمیٹی اور ڈوگری سنستھا کے اشتراک سے غالب پر ڈوگری زبان میں ایک سمپوزیم ہوا۔ ۱۹ر فروری

کو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو نے فرحت اللہ بیگ کا آخری یادگار مشاعرہ اسٹیج کیا جس کو شہر کے تمام حلقوں میں بہت سراہا گیا۔ ۲۱ر فروری کو ریڈیو کی طرف سے ایک شام موسیقی منائی گئی جس میں باہر سے آئے ہوئے مشہور فن کاروں نے غالب کے کلام کو نغمے میں ڈھال کر پیش کیا۔ ۲۲ر فروری کو یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو نے شام غالب کی تقریب منعقد کی جس کی صدارت گورنر جناب بھگوان سہائے نے کی۔ شروع میں شعبے کے استاد منظر اعظمی صاحب نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا اور دوسرے استاد شام لال کالرا عابد پشاوری صاحب نے اردو کی حمایت میں ایک غزل پڑھی۔ اس کے بعد گورنر صاحب نے غالب کی بڑے سائز پر روغنی تصویر کی نقاب کشائی کی۔ ڈاکٹر گیان چند نے ایک مزاحیہ مقالہ "غالب اور ٹاؤن ہال" پڑھا۔ اس کے بعد طلبہ نے غالب کی چند غزلیں ترنم سے سنائیں۔ غالب ہفتے کے دوران یونی ورسٹی اور مختلف اداروں میں غالب کمیٹی کی طرف سے مرزا غالب فلم دکھائی گئی۔ ۲۴، ۲۵ر مارچ کو پروفیسر آل احمد سرور یونی ورسٹی میں دو توسیعی خطبات دیں گے جن میں سے ایک کا موضوع "غالب" ہے اور دوسرے کا "اردو کی نئی شاعری"۔ یونی ورسٹی کا شعبۂ اردو غالب پر ایک کتاب "نقوش غالب" شائع کر رہا ہے جس کے تمام مضامین شعبے کے اساتذہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب اپریل میں شائع ہو جائے گی۔

(نامہ نگار)

گورکھپور یونی ورسٹی میں غالب صدی تقریبات

گورکھپور۔ گورکھپور یونی ورسٹی میں جشن غالب کے پروگرام کے تحت ڈاکٹر ایس۔ پی۔ ناگیندر صدر شعبۂ عمرانیات کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں اردو کے مشہور نقاد ڈاکٹر محمد حسن نے غالب کی شخصیت اور فن کے موضوع پر تقریر کی۔ سب سے پہلے شبنم گورکھپوری نے غالب کی ایک غزل ترنم سے سنائی۔ اس کے



بعد ڈاکٹر خلیق انجم دہلوی صدر شعبۂ اردو نے ڈاکٹر محمد حسن صاحب کا تعارف کراتے ہوئے ان سے تقریر کرنے کی درخواست کی۔ موصوف نے غالب کے حالات زندگی اور شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ غالب نے ایک امیر گھرانے میں آنکھ کھولی تھی مگر حالات نے ان کو معاشی بدحالی اور تنگدستی کا شکار بنا دیا تھا وہ تمام عمر ایک امیرزادے کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے کوشاں رہے اور حالات کا بے جگری سے مقابلہ کرتے رہے۔ اس کے علاوہ کلکتہ کے سفر نے ان کے ذہنی افق کو وسیع کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ غالب کی شاعری اس کشمکش اور جد و جہد کی آئینہ دار ہے اور ان کے یہاں نئے ذہن کی جھلکیاں بھی صاف نظر آتی ہیں۔

گورکھپور یونیورسٹی میں "جشن غالب" کے پروگرام کے تحت ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ صدر شعبۂ سیاسیات کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں اردو کے مشہور نقاد پروفیسر سید احتشام حسین نے غالب کی مقبولیت کے اسباب پر روشنی ڈالی۔ موصوف نے اپنی تقریر میں ان وجوہات کا تفصیل سے جائزہ لیا جن کی وجہ سے آج کے دور میں غالب کی شاعری اس قدر مقبول ہے۔ انھوں نے کہا کہ غالب کے یہاں روایت اور بغاوت کا خوشگوار امتزاج ملتا ہے۔ غالب نے اردو شاعری کی چند بہترین روایات کو اپنی شاعری میں سمو لیا ہے اور اس میں اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کر کے نئی نسل کے حوالے کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی شاعری "دل گداختہ" کی آواز ہے اس لئے وہ بنی نوع انسان کے جذبات سے ہم آہنگ ہے۔

(احمر لاری گورکھپور)

جمال محمد کالج ترچناپلی میں جشن غالب

مدراس، جمال محمد کالج ترچناپلی نے مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ۸ر مارچ ۱۹۶۹ء کو ایک مشاعرہ کا اہتمام کیا اس کے علاوہ غالب سے متعلق ایک تصویری نمائش ترتیب دی گئی تھی جس میں تصاویر کی مدد سے غالب کی زندگی کے نشیب و فراز، ان کی باغ و بہار طبیعت ان کی اندوہناکیاں اور غم اور ان کے مضامین رنگا رنگ کی تفسیر بیان کی گئی۔ غالب کا فلسفہ، ان کا رنگ تصوف اور عشق اور ان کے انداز بیان پر جناب الحاج ایم۔ جے محمد سعید صاحب پرنسپل کالج ہذا اور جناب شریف صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل ایڈوکیٹ سیلم نے تقریر کی پروفیسر نیاز محمد صاحب ایم۔ اے شعبہ تامل نے تامل میں غالب کو اپنا خراج عقیدت پیش کیا۔ جناب ستیندرا صاحب بی۔ اے پرنسپل ہندی پرچارک ودیالہ ترچناپلی نے بھی ہندی میں اپنی عمدہ تقریر کی مدد سے غالب کی زندگی کے بعض اہم پہلو پر روشنی ڈالی۔

(سکریٹری بزم ادب)

لکھنؤ میں غالب صدی تقریبات کے سلسلے میں تمثیلی مشاعرہ

لکھنؤ۔ آل انڈیا غالب سنٹینری کمیٹی اتر پردیش کی جانب سے ایک تمثیلی مشاعرہ دلی کی آخری شمع پیش کیا گیا۔ رفاہ عام کلب کے کھلے ہوئے وسیع میدان میں اس کے واسطے ایک مخصوص اسٹیج تیار کیا گیا تھا اور تمثیلی مشاعرہ میں مغل دور کی معاشرت لباس اور تمام خصوصیات سے اسٹیج اور مشاعرہ کی تزئین کی گئی تھی سامعین میں لکھنؤ کے لوگ موجود تھے۔ مہمان خصوصی میں ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی گورنر اتر پردیش، جناب چندر بھان گپتا وزیر اعلیٰ اتر پردیش، بدرالدین طیب جی آئی۔ سی۔ ایس۔ سابق وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی وغیرہ شامل تھے۔ تمثیلی مشاعرہ کا افتتاح گورنر اتر پردیش نے کیا۔ مسٹر مقبول احمد لاری نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اپنی تقریر میں انھوں نے دور حال میں اردو کی ناقدری کا شکوہ صفائی کے ساتھ کیا انھوں نے کہا کہ بدلے ہوئے حالات میں زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی ہے مگر اردو زبان اب تک اس سے محروم رہی ہے انھوں نے کہا کہ اردو زبان ایک مقدس میراث ہے جو ہم کو اپنے بزرگوں سے ملی ہے اور قطعاً ناقابل تقسیم ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت اردو زبان و ادب کے شیدائی ڈاکٹر بی گوپال ریڈی گورنر اتر پردیش اور جناب سی۔ بی گپتا وزیر اعلیٰ یہاں تشریف رکھتے ہیں ایسے ارباب فکر و نظر کے عہد میں اردو زبان کو اتر پردیش میں اس کا جائز حق نہیں ملا اور اتحاد و اتفاق کی جڑوں کو مضبوط کرنے والی یہ زبان پھول پھل نہیں سکی تو ہماری تاریخ آزادی کے لئے یہ بڑا المیہ ہوگا۔ لاری صاحب نے کہا کہ آل انڈیا غالب سنٹینری کمیٹی دہلی نے یہ اعلان کیا ہے کہ غالب کے نام سے جو ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے اس کا مقصد غالب کی زبان کی ترقی اور اشاعت ہے۔

اردو کا مطالبہ کسی بھی شکل میں فرقہ پرستی نہیں کہا جا سکتا

لکھنؤ۔ علی گڑھ یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور جاپان میں سابق ہندوستانی سفیر جناب بدرالدین طیب جی نے یہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اردو کا مطالبہ کسی بھی شکل میں فرقہ پرستی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ تعجب ہے کہ پچھلے ۲۰ برسوں سے یہ معاملہ کسی نہ کسی طرح سے دبایا ہی جاتا ہے۔ انھوں نے ممبران کی حلف برداری کے معاملے سے متعلق ایک بات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ممبران کا یہ دستوری حق ہے کہ وہ جس زبان کو چاہیں اس میں حلف اٹھائیں قواعد و ضوابط نے تو حلف لینے کا صرف طریقہ متعین کیا ہے۔ (قومی آواز)

اتر پردیش میں اردو میں حلف اٹھوانے پر اظہار افسوس

نئی دہلی۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ یوپی کے سات ممبروں کو ان کی مادری زبان (اردو) میں حلف لینے کی اجازت نہیں دی گئی ہے اور کہا ہے کہ صورت حال بدلنا چاہئے بہر حال وزیر اعظم نے راجیہ سبھا کو مطلع کیا کہ ضابطوں میں تبدیلی کرنے کے لئے ریاستی حکومت اسمبلی میں ضروری تدابیر اختیار کرے گی تاکہ کوئی بھی ممبر اپنی مادری زبان میں حلف لے سکے جیسا کہ مرکز میں رواج ہے۔ مرکزی وزیر شکلا نے کہا کہ مرکزی حکومت کو کوئی اختیار ریاستی حکومت یا ریاستی اسمبلی کو یہ ہدایت دینے کا نہیں ہے کہ وہ کس زبان میں اپنا کام چلائے لیکن حکومت یہ مناسب سمجھتی ہے کہ ریاستی اسمبلیوں میں وہی رواج ہونا چاہئے جو پارلیمنٹ میں ہے یعنی یہ کہ ممبران آئین میں درج کسی بھی زبان میں حلف لے سکتے ہیں اردو ایک ہندوستانی زبان ہے اور ہم اسے اہم مقام دیتے ہیں ہندی اور اردو میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ بھوپیش گپتا جناب شکلا کے اس بیان سے اختلاف کیا کہ یوپی میں حلف برداری کی ریاستی اسمبلی میں بننے والے ضوابط کی پابند ہے حلف برداری کو آئین میں ایک مخصوص مقام حاصل ہے اور اسے آئین کی کارروائی کا جز نہیں کہا جا سکتا ضابطوں پر آئین کو بالادستی حاصل ہونا چاہئے یوپی میں آرٹیکل ۱۸۸ کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ صدر جمہوریہ کو گورنر کے نام یہ ہدایت جاری کرنا چاہئے تھی کہ ممبران کو اپنی مادری زبان میں حلف لینے کا انتظام کیا جائے انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ وزیر اعظم اور مرکزی حکومت نے آئین کی خلاف ورزیاں میں مدد کی ہے۔ آئین سے قطع نظر یہ ہمارے کلچر کی بے حرمتی ہے کہ کسی ممبر کو اردو میں جو ملک کی عظیم ثقافتی ورثے کی حیثیت رکھتی ہے حلف لینے کی اجازت نہ دی جائے یہ قومی یکجہتی کے اصولوں کے منافی ہے۔

باقی صفحہ ۵ سے آگے

کر دیا گیا ہے۔ انھیں کوئی شاعرانہ رنگ دینے کا خاص اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ نہ زبان و بیان میں کوئی ندرت ہے، نہ جذبات و خیالات میں کوئی جدت، نہ تخیل میں بلندی ہے نہ تفکر میں گہرائی۔ نہ فنکارانہ پختگی ہے، نہ شاعرانہ دلکشی، مصرعوں کی ساخت و پرداخت بالکل مبتدیانہ ہے جا بجا نظم کا آہنگ لڑکھڑاتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور شاعر اپنے تمام خلوص کے باوجود وہ تاثر پیدا کرنے میں ناکام ہے جو اس نظم کا اصل مقصد ہونا چاہئے اور جب ہم اس کا مقابلہ اسی موضوع پر نظم طباطبائی کی نظم "گور غریباں" سے کرتے ہیں، جو ترجمہ ہونے کے باوجود ایک بلند پایہ تخلیق کی شان رکھتی ہے تو یہ بالکل ہیچ نظر آتی ہے۔ خود اختر کو ان کوتاہیوں کا بعد میں احساس ہو گیا اور انھوں نے اس میں کئی بہتر اور خوشگوار تبدیلیاں کرکے اس کا معیار بلند کرنے کی کوشش کی اور اس سانٹ کی ترمیم شدہ شکل اصل شکل سے یقیناً بہتر ہے۔ اس کے باوجود وہ اعلیٰ شاعری کے درجے پر نہ پہنچ سکا۔ البتہ شاعر کا خلوص بہر صورت قابل قدر ہے۔ اسی طرح اس نے ایک بالکل نیا رنگ اختیار کرکے جس جرأت رندانہ کا ثبوت دیا ہے وہ بہت مستحسن ہے شاعرانہ محاسن سے قطع نظر اس نظم کی اصل اہمیت، جو تاریخی حیثیت کی حامل ہے، یہ ہے کہ اس کے پیکر میں ایک ایسے جلوے کا ظہور ہوتا ہے جس سے دنیائے اردو کے اہل نظر قطعی ناآشنا تھے۔ اردو شاعری میں ہیئت کے تجربوں کا مطالعہ کرنے والا کوئی ہوشمند طالب علم اسے کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس حیثیت سے اس کی اہمیت ادب اردو کی تاریخ کے ہر دور میں مسلم رہے گی۔

باقی صفحہ ۶ سے آگے

کی اور وہ ہیں گلزار علی اسیر اکبر الہ آبادی کی۔ اسیر اکبر آبادی کی ایک غزل ملاحظہ ہو ؎

دنیا و دین میں یہ وہ شے ہی ایک ہے
شیشے ہزار رنگ کے ہوں مے تو ایک ہے

مجنوں میں مجھ میں نام کا گر فرق ہو تو ہو
پر استخوان و پوست رگ و پے تو ایک ہے

اول نے ڈال دی ہے دوئی بھول مت دلا
دو منزلیں جہاں پہ ہوئیں لے تو ایک ہے

سینے نوائے حلق بریدہ نفیری ساتھ
ہا ہے تو دردمیں دونوں کی پر لے تو ایک ہے

نیزہ کہو قلم کہو یا بانسلی کہو
یوں نام چاہے جتنے رکھو نے تو ایک ہے

دو سے غرض نہ چاہئے طلب مجھے اسیر
دونوں جہاں میں اپنا اگر ہے تو ایک ہے

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا